لائل پور کا چوہدری عمر دراز!

غم کی بدولت دل کا نچ کے ان گنت ٹکڑوں میں تقسیم در تقسیم ہو چکا ہے۔ قلم سے الفاظ لکھنے بھاری لگ رہے ہیں۔ یوں معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تحریر خون دل سے تحریر کر رہا ہوں۔ موجودہ افسردگی کی وجہ حد درجہ ذاتی ہے۔ عادت ہے کہ اپنے دکھ سینے میں چھپا کر رکھتا ہوں۔ مگر کئی بار غم کا بوجھ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ ضبطِ تحریر میں لانے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ بس ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہوں۔ چار دن قبل، لائل پور جسے موجودہ فیصل آباد بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر میں نجابت اور شرافت کی نشانی، چوہدری عمر دراز خالق حقیقی سے جا ملے۔ شہر کے پرانے بلکہ متعدد نئے لوگوں کے لئے بھی یہ نام ہرگز ہرگز اجنبی نہیں ہے۔ چوہدری صاحب کا تعلق، اس ملک کے مشکل ترین کاروبارِ زیست یعنی سیاست سے تعلق تھا۔ پھر اس سے بھی پیچیدہ تر کام اپنے دامن کو کسی آلودگی سے بچا کر رکھنا تھا۔ لائل پور کی سیاست میں مکمل طور پر بے داغ نام، اسی مردِ عجیب کا تھا اور رہے گا۔ ذاتی تعلق تو خیر تھا ہی۔ یعنی میرے سسر محترم تھے۔ اہلیہ ان کی بڑی صاحب زادی ہیں۔ تینتیس برس کے طویل عرصے میں، عمر دراز صاحب کو حد درجہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ شائد آپ کو مبالغہ لگے۔ پانچ وقت کی نماز، رواداری اور شائستگی کے سوا مجھے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ دل سے لکھ رہا ہوں۔ ویسے بھی عمر کے اس پختہ حصے میں، نفع و نقصان سے بالاتر ہو چکا ہوں۔ دس سے گیارہ گھنٹے کام کرتا ہوں۔ کاروبار، معمولی سی خلق خدا کی بھلائی کے کام اور لکھنے کے سوا، کچھ بھی نامہ اعمال میں درج نہیں ہے۔ لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد، مصروفیت تلاش کرتے ہیں۔ اور میں کوشش کے باوجود فارغ وقت تلاش نہیں کر پاتا۔ اس صورت حال میں، قلم مکمل طور پر آزاد ہو چکا ہے۔ سوچ کسی کے زیر اثر نہیں ہے۔ لہٰذا جو لکھتا ہوں، دل سے لکھتا ہوں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مولا نے الفاظ میں اثر بھی ڈال دیا ہے۔ اس ذہنی فکر کے ساتھ چوہدری صاحب کے متعلق حد درجہ حقیقت پسندی سے لکھ رہا ہوں۔

تین دہائیوں قبل، یعنی شادی سے پہلے میں اس شخص کو بالکل نہیں جانتا تھا۔ 1990ء کی بات ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر گوجرہ تھا۔ اس زمانے میں وہ صوبائی اسمبلی کے ممبر تھے۔ میرے والد راؤ حیات، جھنگ میں سیشن جج تھے۔ والد، بہرحال، چوہدری صاحب کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس وقت عمر دراز صاحب کی عمر پچاس برس کی ہو گی۔ پرانے رئیس تھے۔ لائل پور کی سیاست میں ان کے نام کا ڈنکہ بجتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے میں پیپلز پارٹی سے منسلک ہوئے اور پوری عمر اس سیاسی جماعت سے وفا نبھائی۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ بے نظیر بھٹو صاحبہ سے ان کا حد درجہ قریبی اور عزت و احترام کا رشتہ تھا۔ کبھی کبھی بتاتے تھے کہ 1976ء میں جب بھٹو صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ تو بھٹو جیسا مردم شناس انسان بھی، اس شخص کا معترف ہو گیا۔ ستتر کے الیکشن میں صوبائی اسمبلی کے ممبر بنے۔ وہ اسمبلی تھوڑی مدت کے لئے چلی، پھر مارشل لاء آ گیا۔ بھٹو صاحب سے انہوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ مگر گوارا نہیں کیا کہ مشکل وقت میں اس خاندان کے ساتھ بے وفائی کریں۔ جنرل ضیاء الحق اور ان کی ٹیم نے اس شخص کو ہر طرح کا دنیاوی لالچ دیا۔ مجلس شوریٰ کی رکنیت، وزارت، اس کے علاوہ ہر وہ فائدہ جو انسانی ذہن میں آتا ہے، پیش کیا گیا۔ مگر یہ درویش صرف اور صرف اپنی زبان پر قائم رہا۔ پارٹی نہ چھوڑی۔ ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں مگر اف تک نہ کی۔ بے نظیر بھٹو، یہ سب کچھ جانتی تھیں۔ لہٰذا ان کے دل میں عمر دراز کے لئے حد درجہ احترام تھا۔ بے نظیر، چوہدری صاحب کے لاہور والے گھر میں کافی عرصہ قید رہیں۔ جب 1988ء کا الیکشن ہوا تو چوہدری صاحب دوبارہ صوبائی اسمبلی کے ممبر بن گئے۔ یہاں سے وہ وقت شروع ہوتا ہے جس میں قرابت داری کی بدولت، اس شخص کو نزدیک سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔

ایک اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ عمر دراز صاحب کے چھوٹے بھائی، ڈاکٹر خالد محمود کو بھی تین دہائیوں سے ملنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر خالد، کیمسٹری میں پی ایچ ڈی ہیں۔ زرعی یونیورسٹی میں پوری عمر درس و تدریس میں گزار دی۔ اور ساتھ ساتھ یونیورسٹی کی داخلی سیاست پر مکمل عبور حاصل کر لیا۔ حد درجہ اعلیٰ ظرف انسان، جو اپنے بڑے بھائی کے سامنے بلند آواز میں بولتا تک نہیں تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے پوری عمر، حد درجہ نجابت اور نفاست سے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تعلق نبھایا۔ چھوٹے بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب، راولپنڈی کی بارانی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے اور پاکستان کے سب سے بڑے زرعی تحقیقی ادارے کے چیئرمین بھی رہے۔ دعا ہے کہ ایسا بہترین چھوٹا بھائی خدا سب کو عطا فرمائے۔ عمر دراز صاحب کے فوت ہونے پر جب فیصل آباد پہنچا، تو ڈاکٹر صاحب بڑے حوصلے سے غم برداشت کر رہے تھے۔ بخوبی اندازہ تھا کہ اندر سے شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ مگر اپنے دکھ کو سینے میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ بہرحال بات چوہدری عمر دراز کی ہو رہی تھی۔ محترمہ بے نظیر جب بھی فیصل آباد تشریف لاتیں تو صرف اور صرف چوہدری صاحب کے گھر قیام کرتیں۔ بطور وزیر اعظم بھی اسی گھر میں ٹھہرتی رہیں۔ متعدد بار، محترمہ کو ان کے گھر پر ملنے کا اتفاق ہوا۔ محسوس کیا کہ بے نظیر، اس گھر میں ذہنی طور پر اتنی آسودہ ہو جاتی ہیں کہ تکلف یا بناوٹ کو بالائے طاق رکھ ڈالتی ہیں۔ چوہدری صاحب کے ڈرائنگ روم میں، طالب علم نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ سے لے کر ہر بڑے سیاست دان کو دیکھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو، کبھی بھی انہیں نام سے نہیں پکارتی تھیں۔ بلکہ حد ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، ہمیشہ چوہدری صاحب ہی کہتی تھیں۔ بعد میں چوہدری صاحب کو صوبائی حکومت میں مشیر بھی بنا دیا گیا۔

چوہدری صاحب، لائل پور میں طارق آباد کے علاقہ میں آباد تھے۔ اس موضع کا نام پکی ماڑی ہے۔ یہاں شہر کی حد درجہ قیمتی زمین ہے۔ تقریباً بیس پچیس برس پہلے، اپنی بیش قیمت زمین کا خطیر حصہ، ٹرسٹ ہسپتال کے نام کر دیا۔ ان کی والدہ کا نام خدیجہ بی بی تھا۔ ماں کے نام کی نسبت سے، ہسپتال کا نام، خدیجہ ٹرسٹ ہسپتال رکھا۔ اپنی گرہ خاص سے، ایک حد درجہ وسیع و عریض ہسپتال بنا دیا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اتنے بڑے ہسپتال کی تعمیر میں کسی سے کوئی مدد لینا گوارا نہیں کی۔ صرف اور صرف، ذاتی دولت استعمال کی۔ آج ہسپتال پوری جانفشانی سے کام کر رہا ہے۔ اس انسانی خدمت کا اجر انہیں زندگی میں بھی ملتا رہا اور مرنے کے بعد بھی خدا کی جانب سے رحمتوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ نجی شعبہ میں اتنا بہترین اور وسیع ہسپتال بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ ہاں، ایک اور بات ہمارے معاشرے میں لوگ اگر معمولی سا بھی سماجی کام کر لیں، تو اپنا ڈھول اتنا پیٹتے ہیں کہ سننے والے کے کان پھٹ جاتے ہیں۔ اور دوسری اہم ترین بات۔ وہ سماجی کاموں میں لوگوں سے خطیر چندہ وصول فرماتے ہیں۔ اپنے کام کو ذاتی تشہیر کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کئی این جی اوز اور اداروں کے مالکان کو جانتا ہوں۔ جو حکومتی اور بیرونی چندہ پر حد درجہ ٹھاٹ کی زندگی گزار رہے ہیں اور عاجزی کا جعلی نمونہ بھی بنے ہوئے ہیں۔ بہرحال عمر دراز کا خمیر ہی مختلف تھا۔ اس سے بڑی بات یہ کہ کبھی بھی اپنے اس بلند کام کو ذاتی تشہیر کے لئے استعمال نہیں کیا۔ صرف ہسپتال ہی نہیں، خاموشی سے ان گنت لوگوں کی مالی مدد کرتے رہے۔ کبھی کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ واپس نہ جانے دیا۔ آج سے چند برس پہلے از حد بیمار ہو گئے۔ اس بیماری کو بھی حوصلہ سے برداشت کرتے رہے۔

چند دن پہلے، جب انہیں، آسودہ خاک کیا جا رہا تھا۔ تو چہرے پر مکمل سکون تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ برسوں سے جاگ رہے تھے۔ اور اب گہری نیند سو رہے ہیں۔ چہرے پر غم یا دکھ کی کوئی پرچھائی تک نہیں تھی۔ جنازے میں ہزاروں لوگ شریک تھے۔ ہر شخص ان کی تعریف کرتے نظر آیا۔ اس شدید صدمہ کو میری خوش دامن، آپا مسرت نے جس ضبط سے برداشت کیا۔ وہ بھی مثالی تھا۔ وہ خود بھی حوصلے سے تھیں۔ اور باقی اہل خانہ کو بھی حوصلہ دے رہی تھیں۔ مگر مجھے تو معلوم تھا اتنے پر عظم چہرے کے پیچھے دکھ کی کتنی گہری تہہ چھپی ہوئی ہے، یہ شعوری جذبہ بھی حد درجہ قابل تعریف ہے۔ لائل پور سے واپسی پر بار بار سوچ رہا تھا کہ پکی ماڑی بھی وہیں ہے۔ آل اولاد بھی خوش و خرم ہے۔ وسیع گھر بھی موجود ہے۔ اگر نہیں ہے تو لائل پور کی شرافت کی وہ نشانی موجود نہیں ہے، جس کا نام چوہدری عمر دراز تھا!